غیر معمولی ذہانت پیدا کرنا بمقابلہ ایک نظام کی تشکیل

حقیقی قومی فخر کسی ایک غیر معمولی یا نایاب زہین فرد سے ثابت نہیں ہوتا—بلکہ اس کی بنیاد وہ نظام ہیں جو بہت سے لوگوں کو پھلنے پھولنے کا موقع فراہم کرتے ہیں۔ تعلیم اور صحت کی سہولیات کو پروان چڑھائے بغیر محض چند باصلاحیت افراد پر فخر کرنا ایک 'مستعار فخر'(Borrowed Glory) کے سوا کچھ نہیں۔ حقیقی ترقی تب آتی ہے جب معاشرے ایسے اداروں میں سرمایہ کاری کریں جو کردار، تجسس اور مواقع کو پروان چڑھائیں، تاکہ غیر معمولی ہونا محض حادثاتی یا تکالیف کا نتیجہ نہ ہو بلکہ ایک مشترکہ راستہ بن جائے۔ قومیں اکادکا ستاروں کے بل بوتے پر نہیں ابھرتی ہیں؛ وہ تب ہی عروج پاتی ہیں جب پورے آسمان کو چمکنے کا موقع دیا جائے۔

ہم برآمدے کے ایک پرسکون کونے میں بیٹھے تھے کہ گفتگو نے ایک غیر متوقع رخ اختیار کر لیا۔ شام کی ہوا تو نرم تھی، مگر بحث بوجھل ہو گئی—ایسے سوالات کے وزن سے جو شاید ہی کبھی ایمانداری سے پوچھے جاتے ہیں۔

میں نے چائے کا کپ بے خیالی میں ہلاتے ہوئے کہا، "میں نے ایک بار کسی سے پوچھا تھا کہ بطور پاکستانی انہیں کس چیز پر فخر ہے۔" انہوں نے جواب دیا، 'ہم نے عبدالسلام پیدا کیا۔'

جواب فوری نہیں تھا۔ ایک طویل، فکر انگیز اور کسی حد تک بے چین کر دینے والا سکوت چھا گیا۔ "کیا واقعی ہم نے انہیں پیدا کیا؟" بالآخر انہوں نے پوچھا۔

یہ سوال فضا میں معلق ہو گیا۔ یہ نہ تو غصے والا تھا اور نہ ہی اسے مسترد کرنے والا، بلکہ ایسا لگتا تھا جیسے یہ حقیقت کی تلاش ہو۔

میں نے جواب دیا، "میں نے بھی یہی پوچھا تھا، کیا ہم نے انہیں پیدا کیا؟ یا وہ ہمارے (نظام کے) باوجود خود اپنی محنت سے پیدا ہوئے؟"

وہ تھوڑا پیچھے کو جھکے اور بولے، "ایک واحد غیر معمولی فرد پیدا کرنے اور 'اعلیٰ کارکردگی کا ادارہ جاتی ماحول'(Institutional Culture of Excellence) تعمیر کرنے میں بہت بڑا فرق ہے۔"

یہ جملہ میری توقع سے کہیں زیادہ گہرائی میں اثر کر گیا۔

انہوں نے اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہا، "آپ اعلیٰ کارکردگی اس وقت پیدا نہیں کرتے جب آپ کسی کو ایک مخصوص مہارت سکھانے کا فیصلہ کرتے ہیں، جیسے کہ ایک اچھا سافٹ ویئر(Software) انجینئر یا ایک قابل سائنسدان بنانا۔ آپ اعلیٰ کارکردگی تب پیدا کرتے ہیں جب آپ مکمل شخصیات کی تعمیر کرتے ہیں۔ جب تعلیم کردار، تجسس، اخلاقیات اور تنقیدی سوچ(Critical Thinking) کو جلا بخشتی ہے۔ جب یہ محض 'تعلیمی نتائج' کی بجائے گہرائی کو پروان چڑھاتی ہے۔"

میں نے اثبات میں سر ہلایا۔ میرا ذہن ان کلاس رومز کی طرف چلا گیا جو میں نے دیکھے تھے—گنجان، مالی وسائل سے محروم، جہاں جستجو کے بجائے رٹہ بازی کا دور دورہ تھا۔ ایسی جگہیں جہاں دریافت اور کھوج پر بقا کی تگ و دو حاوی تھی۔

انہوں نے بات آگے بڑھاتے ہوئے کہا، "ہمارا مسئلہ یہ ہے کہ ہم نے کبھی اداروں میں سرمایہ کاری نہیں کی۔ ہم نے تعلیم کو کبھی قومی ترجیح نہیں بنایا۔ ہمارے بجٹ پر نظر ڈالیں—تعلیم کے لیے تو برائے نام ہی رقم رکھی جاتی ہے۔ یہی حال صحت کا بھی ہے۔ یہ ہماری ترجیحات ہی نہیں ہیں۔"

مجھے ان ہسپتالوں کا خیال آیا جہاں خاندان بنیادی ادویات کی خریداری کے لیے مارے مارے پھرتے ہیں۔ ان سکولوں کا خیال آیا جہاں نہ تو مناسب لائبریریاں ہیں، نہ لیبارٹریاں اور نہ ہی تربیت یافتہ اساتذہ۔ ان بچوں کا خیال آیا جن کی ذہانت آہستہ آہستہ دم توڑ دیتی ہے کیونکہ کوئی اسے نکھارنے والا نہیں۔

انہوں نے دھیمی آواز میں کہا، "اگر تعلیم واقعی ہماری ترجیح ہوتی، تو ہمیں ہر پچاس یا سو سال بعد کسی معجزے کا انتظار نہ کرنا پڑتا۔ ہم عظمت کے ثبوت کے طور پر صرف ایک نوبل انعام سے چمٹے نہ رہتے۔"

یہ بات چبھتی ہوئی تھی کیونکہ یہ سچ تھی۔

میں نے باآوازِ بلند سوچتے ہوئے کہا، "جب ایک معاشرہ نظام میں سرمایہ کاری نہیں کرتا، تو وہ اتفاقات کا محتاج ہو جاتا ہے"۔ ان شاذ و نادر افراد پر جو محض اپنی قوتِ ارادی، ٹیلنٹ اور دکھوں سے لڑ کر ابھرتے ہیں۔"

"بالکل،" انہوں نے کہا۔ "عبدالسلام اس لیے سامنے نہیں آئے کہ نظام نے ان کا ساتھ دیا تھا۔ وہ نظام کی رکاوٹوں کے باوجود ابھرے۔ وہ ان رکاوٹوں کے باوجود آگے بڑھے، اس لیے نہیں کہ انہیں نظام کی حمایت حاصل تھی۔"

ہمارے درمیان دوبارہ خاموشی چھا گئی۔

مجھے ایک دیہی سکول میں ملنے والا ایک نوجوان طالب علم یاد آیا—ایک لڑکا جس نے کباڑ کے لوہے سے کام چلانے والی مشینیں بنائی تھیں اور ٹوٹی ہوئی بیٹریوں سے چھوٹے پنکھے چلائے تھے۔ اس کی آنکھوں میں خیالات کی چمک تھی، مگر اس کے سکول میں نہ کوئی سائنس لیب تھی، نہ تربیت یافتہ استاد اور نہ ہی مستقبل کا کوئی واضح راستہ۔ میں اکثر سوچتا ہوں کہ وہ لڑکا اب کہاں ہو گا۔

میں نے دھیرے سے کہا، "اداروں کے بغیر ٹیلنٹ کمزور ہو جاتا ہے۔ یہ اتفاقیہ ملاقاتوں، کبھی کبھار ملنے والے اساتذہ اور غیر معمولی ذاتی ہمت پر منحصر ہوتا ہے۔" "اور زیادہ تر لوگ اس بوجھ کو برداشت نہیں کر پاتے،" انہوں نے اضافہ کیا۔ "اس لیے نہیں کہ ان میں قابلیت کی کمی ہوتی ہے، بلکہ اس لیے کہ اکیلے اٹھانے کے لیے یہ بوجھ بہت بھاری ہو جاتا ہے۔"

ہم اس حقیقت پر بات کرتے ہوئے وہیں بیٹھے رہے۔

تھوڑی دیر بعد وہ بولے، "ترقی کرنے والی قومیں ہیروز کا انتظار نہیں کرتیں۔ وہ سڑکیں بناتی ہیں تاکہ عام لوگ ہر قدم پر لہولہان ہوئے بغیر کمال (Excellence) کی طرف بڑھ سکیں۔"

یہ جملہ میرے ذہن میں نقش ہو گیا۔

اس نے مجھے احساس دلایا کہ ہم 'فخر' کے تصور کو کتنی شدت سے غلط سمجھتے ہیں۔ ہم افراد پر تو فخر کرتے ہیں، لیکن ہر اس نظام بنانے کی ذمہ داری لینے سے کتراتے ہیں جو افراد کو پنپنے کا موقع دیتے ہیں۔ ہم جینیئس کا جشن یوں مناتے ہیں جیسے یہ اجتماعی کامیابی کا ثبوت ہو، جبکہ اکثر یہ ہماری اجتماعی غفلت کا ثبوت ہوتا ہے۔

میں نے آہستہ سے کہا، "اگر کل کسی گمنام گاؤں میں ایک اور عبدالسلام پیدا ہو جائے، تو کیا ہم اسے وقت پر پہچان پائیں گے؟ کیا ہم اسے نکھاریں گے؟ کیا ہم اسے تحفظ دیں گے؟" انہوں نے فوراً جواب نہیں دیا۔

بالآخر انہوں نے جواب دیا، "صرف اسی صورت میں، جب ہم صحت اور تعلیم کو 'اخراجات' سمجھنا چھوڑ دیں گے اور انہیں اپنے مستقبل کی 'سرمایہ کاری' سمجھنا شروع کریں گے۔"

اس رات جب میں گھر پیدل جا رہا تھا، تو میں یہی سوچتا رہا: ایک قوم کی پہچان تاریک آسمان میں ایک چمکتا ہوا ستارہ نہیں ہوتی۔ قوم کی پہچان اس بات سے ہوتی ہے کہ اس کے پورے آسمان کو کتنا روشن ہونے کا موقع دیا جاتا ہے۔

جب تک ہم تنہا ستاروں کے انتظار کے بجائے ستاروں کے جھرمٹ (Constellations) بنانا نہیں سیکھتے، ہمارا فخر مستعار رہے گا اور ہمارا ٹیلنٹ یونہی ضائع ہوتا رہے گا۔